مایوسی ہو لیکن جو لوگ تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں اُن کو اس کے مطالعہ سے خوشی ہوگی۔

افسوس ہے کہ پچھلے دنوں حضرت امجد حیدرآبادی کا ۸۳ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔ مرحوم بڑے قادر الکلام اور نغز گو شاعر تھے۔ نثر اور نظم دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ لیکن رباعی گوئی اُن کا خاص فن تھا اس میدان میں وہ اپنا کوئی حریف نہیں رکھتے تھے، اس اعتبار سے وہ درحقیقت اردو زبان کے سرمد تھے چنانچہ مولانا گرامی نے بجا طور پر کہا تھا۔

امجد بہ رباعی ست فرد امجد — کلک امجد کلید گنج سرمد
گفتم کہ بود جواب سرمد امروز — روح سرمد بگفت امجد امجد

بلند پایہ شاعر ادیب اور مصنف ہونے کے علاوہ بڑے صاحب دل، صاحب معرفت، خوددار و غیور اور پابند وضع بزرگ تھے، زندگی بالکل درویشانہ اور قلندرانہ تھی، عسرت و افلاس سے ہمیشہ سابقہ رہا مگر ارباب ثروت و وجاہت کے ساتھ نیازمندی کا تعلق رکھ کر اپنے فن اور کمال کی توہین کبھی گوارا نہیں کی۔ سیلاب رود موسی کے واقعہ کے بعد جس میں اُن کے دیکھتے دیکھتے بوڑھی ماں اور جوان بیوی بہہ گئیں اور غرق ہوگئی تھیں وہ سوز و گداز مجسم اور پیکر عبرت ہو کر رہ گئے تھے لیکن کیا مجال کہ تسلیم و رضا کی پیشانی پر کوئی بل بھی پڑا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور مرحوم میں بڑے مخلصانہ تعلقات تھے اور دونوں ایک دوسرے کی دل سے قدر و منزلت کرتے تھے۔ مرحوم سے راقم الحروف کی پہلی ملاقات ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر ہی ہوئی تھی۔ یہ ملاقات اگرچہ سرسری تھی لیکن مرحوم کے حافظہ کا کمال یہ تھا کہ ۵۸ء میں جب میں سفر حیدرآباد کے سلسلہ میں موصوف کے مکان پر حاضر ہوا تو اگرچہ ضعیفی اور حافظہ اور مسلسل علالت کی وجہ سے بہت کمزور ہو رہے تھے اور بینائی بھی بہت کمزور ہو چکی تھی مگر با ایں ہمہ میری آواز سنتے ہی فوراً زنانخانہ سے مردانہ میں آگئے۔ بڑی شفقت و محبت سے خاطر تواضع کی۔ دیر تک باتیں کرتے اور برہان و ندوۃ المصنفین کی خدمات کا تذکرہ کرتے رہے۔ چلنے لگا تو اپنی تمام کتابوں کا سٹ عطا فرمایا، میں نے اُن کا ہدیہ پیش کیا تو میرے سخت اصرار کے بعد بادل نخواستہ قبول فرمایا اُن کے خدا رسیدہ اور صاحب جذب و حال ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ جگر کے بعد یہ دوسرا زخم کاری ہے جو اردو شعر و زبان کو حضرت امجد کی وفات سے پہونچا ہے۔ اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ۔